

مَقَالَاتُ دَلَالِ السِّنَنِ وَالْآثَارِ

(۱۴)

از جناب مولوی نجم الدین حسنا اصلاحی

تابعین کا دور | صحابہ کرام کے بعد تابعین بالاحسان ان کے علم کے وارث ہوئے اور انہوں نے دنیا کے اسلام کے گوشے گوشے میں سنت نبوی کے علم کو پوری مخالفت کے ساتھ پھیلایا اور اس طرح منضبط کر دیا کہ اس میں جعل سازی کرنا کوئی آسان کام نہ رہا جیسا کہ آجکل بعض ناواقف بگنان لوگ خیال کرتے ہیں۔ اس گروہ میں روایت حدیث کے رکن اعظم محمد بن مسلم معروف بہ ابن شہاب زہری ہیں۔ سنہ ۱۸۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ مسعد بن السیب وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ لیث بن سعد کا قول ہے کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع علم کبھی نہیں دیکھا۔ قرآن، حدیث، کلام عرب اور انساب کے متعلق ان سے بہتر کوئی بیان نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہے کہ زہری سے زیادہ حدیثوں کا عالم کوئی باقی نہیں رہا۔ محول کا قول ہے: **عَدَا بَيْتَ أَحَدٍ أَعْلَمَ بِسُنَّةِ مَا فِيهِ مِنَ الزَّهْرِيِّ** امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب مدینہ میں آئے تو ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں دفتر میں گئے لیکن جب عصر کے وقت دفتر سے نکلے تو ابن شہاب یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ میرے خیال میں ربیعہ کا مثل مدینہ میں کوئی نہیں۔ اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے چلے کہ میرے نزدیک ابن شہاب علم کے جس درجہ کو پہنچ گئے ہیں اس درجہ کو کوئی نہیں پہنچا۔ آپ کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ کے فتاویٰ کو محمد بن نوح نے جمع کیا

لے: معرفة علوم الحديث

تو تین جلدیں ہوئیں۔

ابن شہاب زہری کے شاگرد پانچ طبقات میں منقسم ہیں۔ علامہ حازمی نے ان طبقات کو غایت تحقیق اور وقت نظر سے متین فرما کر قیامت تک کے لئے بہت سے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ ائمہ حدیث کے مشرب و مسلک کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

”ان میں سے ہر طبقہ اپنے سے نیچے کے طبقے پر فضیلت رکھتا ہے۔ طبقہ اول اعلیٰ درجہ کی صحت کا حامل ہے اور یہی امام بخاری کا مستند علیہ ہے۔ طبقہ ثانیہ اگرچہ پہلے طبقہ والوں کے ساتھ مثبت ثقاہت وغیرہ میں تو شرکت رکھتا ہے لیکن پہلا طبقہ حفظ، القان، اور زہری کی طویل صحبت سے مستفید ہونے میں طبقہ ثانیہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ زہری کے ساتھ سفر اور حضری اس نے ملازمت اختیار کی اور ان کی حدیثوں کی بخوبی مارت کی اور اچھی طرح جانچ پڑتال فرمائی۔ اسوجہ سے طبقہ اولیٰ کی حدیثیں زیادہ قابل وثوق ہوئیں۔ طبقہ ثانیہ نے امام زہری کی صحبت زیادہ نہیں پائی اس لیے ان کو یہ بات حاصل نہ ہو سکی نہ ان کو حدیث زہری سے چنداں مارت ہوئی۔ یہی شرط امام مسلم کی ہے۔ بہر حال طبقہ اولیٰ کے رواۃ امام بخاری کے شرط ہیں۔ کبھی کبھار طبقہ ثانیہ کے رواۃ کی احادیث کو بھی جن پر امام کو اعتماد ہے صحیح بخاری کے اندر لاتے ہیں لیکن بالاحتیاط نہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ یہ دونوں طبقات کی احادیث کو بالاستقصاء ذکر کرتے ہیں۔ تاہم طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے رواۃ کی حدیثیں بھی امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہیں (ثانیہ سے زیادہ، ثالثہ سے کم) طبقہ اولیٰ میں امام مالک، سفیان ابن عیینہ، عبید اللہ بن عمر، یونس بن یزید، عقیل بن خالد، شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ حضرات شامل ہیں اور طبقہ ثانیہ میں امام اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد، عبد الرحمن بن خالد بن مسافر، ابن ابی ذئب وغیرہ۔ یہ ان رواۃ کی حالت ہے جو کثیر الحدیث ہیں۔ رہے وہ رواۃ جو قلیل الحدیث ہیں تو ان سے امام بخاری کبھی کسی متفرد راوی کی حدیث نہیں لیتے جب تک کہ سلسلہ رواۃ میں اسکا کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ ہاں کبھی کسی راوی پر باوجود تفرد کے جب قوی اعتماد ہو جاتا ہے تو اس کی حدیث لے لیتے ہیں جیسے یحییٰ بن سعید انصاری

مرداس اسلمی، زاہر بن اسود الاسلمی، عبداللہ بن ثعلبہ، ابوسعید بن المعلی، ابوعقبہ سوید بن نعمان۔ ان چند اسماء کے سوا شاید ہی اور موجود ہوں اور یہ بھی شاذ و نادر کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی یہی دوش اختیار کی۔

طبقة ثالثہ میں ایسی جماعت ہے جس نے مثل طبقة اولیٰ کے امام زہری سے ملازمت تو کی ہے لیکن یہ جماعت مفسدہ بصر سے محفوظ نہیں ہے، اس لئے ان کی بعض حدیثیں قبول کی گئی ہیں اور بعض رد کر دی گئی ہیں یہی رواۃ ابوداؤد اور نسائی کے شروط ہیں مثلاً سفیان بن حسین اسلمی، جعفر بن برقان، عبداللہ بن عمر بن حفص العمری، زمر بن صالح المکی، اسحاق بن یحییٰ اکلبی وغیرہ۔

چوتھا طبقة ایک ایسی جماعت اور قوم کا ہے جو طبقة ثالثہ کے ساتھ جرح و تعدیل میں شریک ہیں لیکن قلت ممارست کی وجہ سے حدیث زہری میں منفرد ہیں، اس لیے کہ امام زہری کی صحبت انہیں کم نصیب ہوئی ہے یہی شرط امام ابو عیسیٰ ترمذی کی ہے، مثلاً ربیعہ بن صالح، معاویہ بن یحییٰ الصدقی، مشنی بن صباح، اسحق بن عبداللہ بن ابی فروة المدنی، ابرہیم بن یزید المکی وغیرہ۔

اس کے بعد علامہ حازمی فرماتے ہیں کہ ”حقیقتہً شرط ترمذی، ابوداؤد کی شرط سے زیادہ بہتر ہے اس لئے جب حدیث ضعیف ہو اور اس کے رواۃ طبقة رابعہ کے لوگ ہوں اور وہ ان کے ضعف سے مطلع کرتا جائے تو ایسی حالت میں یہ حدیث اس کے نزدیک شواہد اور متابعات کے قبیل سے سمجھی جائے گی، اگر یا اس امام نے ایک جماعت کی صحت پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ کتاب ترمذی اسی فن میں مشہور ہے۔“

میرے نزدیک اصل حقیقت یوں ہے کہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی کا رتبہ امام ترمذی کی حیثیت مجتہد ہونے کے بلند ہے۔ ترمذی کو رتبہ اجتہاد حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤد سند کے بجائے متن پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ سنن ابی داؤد کے دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ طریق اختلاف الفاظ اور

شروط الائمہ

زیادات کو ایک دوسرے سے واضح فرماتے ہیں کیونکہ فقہ حدیث کی جانب امام کی توجہ بہت زیادہ ہے۔ اور اسی خیال سے وہ صحیح سند لاتے ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسناد متصل کا سرے سے ذکر تک نہیں کرتے۔ تفصیل کے لئے امام کا وہ خط ملاحظہ کرنا چاہیئے جس کو انہوں نے اہل مکہ کے لئے لکھا ہے۔

پانچواں طبقہ ضعیف اور مجہولین کا گروہ ہے۔ امام ابو داؤد کے نزدیک اس گروہ سے حدیث لینا اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے جو ابواب کے ماتحت احادیث کی تخریج کرتا ہے، الا علی سبیل الاعتماد والا شہاد، لیکن حضرات شیخینؒ سرے سے اسکے مخالف ہیں۔

اس موقع پر ایک بات صاف کر دینی چاہیئے جس میں اہل علم مختلف آراء لے چکے ہیں وہ یہ کہ آیا صحیح مسلم میں دوسرے طبقے کی حدیثیں درج ہوئیں یا نہیں؟ حاکم اور امام ہیثمی کا خیال ہے کہ امام کی موت نے دوسرے طبقے کی حدیثوں کی تخریج کا موقع نہیں دیا۔ لیکن قاضی عیاض کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح مسلم میں دونوں طبقے کی حدیثیں موجود ہیں اور اس تحقیق کے لحاظ سے صحیح مسلم میں بجز ان حدیثوں کے جن کے رواد کو عموماً محدثین نے مردود قرار دیا ہے ہر قسم کی روایات درج ہیں۔ عموماً محدثین کے نزدیک جب حدیث متصل الاسناد ہو شروع سے آخر تک ثقہ راویوں کے ذریعہ سے آئی ہو، شذوذ اور علت سے خالی ہو تو وہ صحیح تسلیم کی جاتی ہے زیادہ تر اختلاف ان روایتوں میں ہوتا ہے جن میں ایک فریق کے نزدیک صحیح کے تمام شرائط موجود ہوں اور دوسرے کے نزدیک معدوم۔ مثلاً امام بخاری کے نزدیک ابو زبیر مکی، سہیل بن ابی صالح، حماد بن سلمہ وغیرہ میں صحیح کے تمام شرائط موجود نہیں اس لیے وہ ان سے روایت نہیں کرتے۔ اس کے بخلاف امام مسلم کے نزدیک قابل اعتبار ہیں۔ اسی طرح عکرمہ، عمرو بن مرزوق وغیرہ سے امام بخاری روایت کرتے ہیں لیکن مسلم ان کو قابل روایت قرار نہیں دیتے۔ اس بنا پر امام مسلم نے امام بخاری کے چار سو چونتیس رواد سے اور امام بخاری نے امام مسلم کے ۶۲۵ راویوں سے روایت نہیں کی۔

اسی طرح مقبول اور معتبر رواد میں بھی مراتب کا فرق ہے۔ مثلاً حسن بصری اور ابن سیرین کے

کے دو شاگرد ہیں جو تقویٰ، امانت اور احتیاط میں بہت عالی مرتبہ ہیں یعنی ابن عون اور ایوب سختیانی۔ انہیں کے دو شاگرد اور ہیں عوف بن حمیلہ اور اشعث الحمزنی جو معتبر تو ہیں مگر مرتبہ میں ابن عون اور ایوب سختیانی سے کم ہیں۔ اگر کوئی روایت عوف اور اشعث کی ابن عون اور ایوب کے خلاف ہو تو محدثین اس بنا پر اس سے انکار کر دیں گے کہ ان سے زیادہ معتبر لوگوں نے ان کے خلاف روایت کیا ہے۔ یا مثلاً عطاء ابن اسائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن سلیم محدثین کے نزدیک معتبر اور مستند ہیں لیکن ان کا مرتبہ اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان اعش اور منصور معتمر کے مثل نہیں ہے لہذا اگر کوئی روایت عطاء، یزید اور لیث کی ان کے خلاف ہو تو محدثین کے نزدیک مقبول نہ ہوگی۔

دورِ تدوین | بہر حال مذکورہ بیان اور فرق مراتب کے سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جس طرح امام زمہری کے تلامذہ کے طبقات ہیں بعینہ اسی طرح امام نافع اور امام اعش و قتادہ کے بھی ہیں۔ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد بہت سی فنی زحماتیں ختم ہو جاتی ہیں اور طالب حق کے لئے تحقیق و جستجو کی راہیں باز ہو کر تقلید ہی جمالت اٹھ جاتی ہے۔ اس کا خلاصہ بقل علامہ ابن المدینی یہ ہے کہ سنن و آثار نبوی صلعم کے رکن اعظم جن پر حدیث نبوی کی بنیاد رکھی جاتی ہے چھ حضرات ہیں یعنی امام زمہری مدینہ میں، عمر بن دینار مکہ میں، قتادہ و یحییٰ بن کثیر بصرہ میں، ابواسحاق اور سلیمان اعش کوفہ میں، پھر ان چھ حضرات کے علم کی فہرست بہت طویل ہے۔ تاہم طبقہ اولیٰ کے مصنفین جنہوں نے سنن و آثار نبوی کو جمع کیا ہے ان کی تاریخ کی حیثیت دوسری صدی کی ابتدا سے شروع ہو کر چوتھی صدی کے نصف تک قائم رہتی ہے۔ یہی دور حدیث و فقہ کی تدوین اور ان ائمہ کبار کے پیدا ہونے کا دور ہے جن کو عام طور پر لوگوں نے اپنا پیشوا تسلیم کیا ہے علم حدیث کے لئے یہ دور بہترین دور تھا کیونکہ اس دور میں رواد حدیث نے علم کی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا یعنی یہ کیا ایک ہی قسم کی حدیثوں مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کو باہم ایک ہی سلسلہ میں جوڑ دیا جائے۔ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی زمانہ میں پیدا ہوا یہاں تک کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے

تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے۔ تاہم اتنا مسلم ہے کہ مدینہ میں امام مالک، مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اور سفیان بن عیینہ، کوفہ میں سفیان ثوری، بصرہ میں حماد بن سلمہ و سعید بن ابی عوبہ و ربیع بن صبیح و اسلمہ بن شہیم بن بشیر، شام میں عبدالرحمن اوزاعی، محمد بن اسحق و کعب بن الجراح، یمن میں معمر بن راشد و عبدالہزاق، خراسان میں عبداللہ بن مبارک، رے میں جریر بن عبدالحمید وغیرہ تھے، اور یہ کچھ اور پرستار کازانہ تھے۔ ان کتابوں میں جیسا کہ ہم کو علماء امام مالکؒ میں نظر آتا ہے، حدیث نبوی صحابہ و تابعین کے اقوال کے ساتھ محفوظ تھی۔ لیکن ان لوگوں کے بعد دوسری صدی کے آغاز میں دوسرے طبقہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دوسرے لوگوں کے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا اور وہ کتابیں تالیف کیں جو سانیہ کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً مسند عبداللہ بن موسیٰ کوفی، مسند سعد بن مسرہ البصری، مسند اسد بن موسیٰ البصری، مسند نعیم بن حماد الخولعی، مسند اسحق بن راہویہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل۔ ان حضرات نے احادیث کو ان کے دیوں کے سانید میں وضع کیا مثلاً مسند ابو بکر صدیق وغیرہ۔

اس طبقہ کے بعد دوسرے طبقہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے سامنے اس عظیم شان ذہیرے کو دیکھا تو اپنے لیے انتخاب کا دروازہ کھولا اور اس طبقہ کے سرخیل امام بخاری اور امام مسلم ہوئے جنہوں نے روایت و انتخاب میں نہایت چھان بین کے بعد صحیحین کو تصنیف فرمایا۔ انہیں اکابر کی روش دیگر ارباب صحاح نے اختیار کی۔ ایک اصولی تشریح [امام زہریؒ سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا البتہ بعض علماء صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے، شاید اس وجہ سے کہ ان کو مغازی کی روایتیں زیادہ معلوم تھیں، یا اس وجہ سے کہ مغازی کی روایتیں زیادہ بیان کرتے تھے۔

امام زہریؒ کے وقت میں چار عالم بے نظیر سمجھے جاتے تھے، ابن السیب مدینہ میں، شعبی کوفہ میں، حن بصرہ میں اور مکحول شام میں۔ یہ سب ائمہ سیر بھی ہیں اور ائمہ حدیث بھی۔ زہری ان چاروں کے فیض یافتہ تھے۔ چنانچہ امام زہریؒ کے شاگردوں ہی نے سنن اور سیرۃ کو بظاہر دونوں کی حیثیت سے نمایاں

کیا۔ ایک طرف امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے جنہوں نے علم حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا۔ دوسری طرف امام السیر والخبار محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ ان کے شاگرد تھے جن کی روایات اور تصنیفات سے فن سیرۃ ایک مستقل فن بن گیا۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اصحاب سیر اور ارباب حدیث واقعی دو جماعتیں نہیں ہیں۔ جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی۔ مگر سیرت پر جب ان کو واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرۃ کے مقاصد کو پورا کرنا ہوتا ہے تو اس کے شرائط اور وجوہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ اس احوال کی تفصیل یہ ہے کہ اصحاب حدیث دراصل تین امود کو جمع کرتے ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا،

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کام کیا،

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ کے وقت میں کیا کیا گیا۔

اصحاب سیر و بھی انہی تین باتوں کو جمع کرتے ہیں اس لئے اہل کام دونوں کا ایک ہے۔ مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کی بحث منمنایا التزاماً ہوتی ہے۔ اس لئے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں؟ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن اصحاب سیرۃ کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا اس کے ساتھ دلائل و باتیں اور معلوم کرنی ہوتی ہیں (۱) یہ کہ حضورؐ نے کب ایسا کہا یا کیا، (۲) یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی۔ اصحاب سیرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بتانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے اسباب و علل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ ہو گیا۔ گو یہ نہ معلوم

ہو کہ رسول اللہ نے کب، کس دن، اور کس تاریخ کو ایسا کہا یا کیا۔ اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرۃ اور اصحاب حدیث کی ڈیڑھ اعلیٰ الگ الگ بن گئیں اور معیار تحقیق بھی دونوں کا جدا ہو گیا۔ محدثین روایت کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول روایت کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں۔ اور اصحاب سیرۃ حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ بہر حال اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرۃ، ان میں سے کوئی بھی جھوٹوں کی روایتیں اور جن راویوں پر جرح شدید ہو ان کے بیانات کو قبول نہیں کرتا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب [بیان کیا جاتا ہے کہ بخاری نے اپنی صحیح میں کوئی روایت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے نہیں لی ہے باوجود اس کے کہ امام بخاری، امام ابو حنیفہ کے چھوٹے سے چھوٹے اصحاب سے ملے اور ان سے استفادہ کیا۔ اسی طرح امام بخاری نے امام شافعیؒ سے بھی روایت حدیث نہ کی، باوجود اس کے کہ ان کے بعض اصحاب سے امام بخاری کی ملاقات ثابت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات محدثین کے تقدس اور توسع، امانت اور کمال دینداری کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے کسی تعصب اور ہیچانیت سے ایسا کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ تاج الدین سبکی طبعات کبریٰ میں فرماتے ہیں :-

د ذکر الشافعی فی موضعین من	امام بخاری نے اپنی صحیح میں امام شافعی کا ذکر
صحیح فی باب فی الرکاز الخمس وفی بالتفسیر	دو جگہ کیا ہے (۱) باب فی الرکاز الخمس (۲) باب
العرا یا من البیوع ورحمہ شیخنا المزی	تفسیر العرا یا کتاب البیوع میں اور علامہ مزی نے
فی التہذیب الشافعی بالتعلیق و ذکر	ان دونوں مقاموں کا ذکر تہذیب میں کیا ہے۔
ہذین المکانین	

پھر دفع دخل کے طور پر علامہ سبکی اس سوال کے جواب میں کہ امام شافعی سے روایت کیوں نہیں کی

کہتے ہیں اور

ولم یرو عن الشافعی فی الصحیح لاند
اصح اقوالہ والشافعی مات مکتہلاً
یعنی امام بخاری نے کوئی حدیث امام شافعی کے سوا
سے اپنی جامع صحیح میں اس واسطے روایت نہیں
کی کہ امام بخاری نے امام شافعی کے اقوال کو پایا
اور ان کے معاصرین سے اخذ روایت کیا، چونکہ امام شافعی کا انتقال بن کہولت ہی میں ہو گیا تھا اگر امام شافعی کے
واسطے سے روایت کرتے تو حدیث کے سلسلہ سند میں واسطہ بڑھ جاتا اور سند نازل ہو جاتی اس لیے امام شافعی کے واسطہ
سے بخاری نے کوئی روایت نہیں کی۔

اور امام ابو حنیفہ سے روایت نہ کرنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ قسطلانی نے شرح
بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ
قول نہ تھا "الایمان قول و عمل"۔ مگر یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ خود صحیح بخاری کے سلسلہ اسانید میں ایسے
رواۃ موجود ہیں جن کی نسبت "مرجی" لکھا گیا ہے جو اعمال کو جزو ایمان نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح بخاری
کے بعض رجال کے متعلق شیعیت اور ایسے ہی دوسرے امور بھی مذکور ہیں جن سے اعتقاداً امام بخاری کو
اختلاف ہے لیکن شرائط یعنی عدل، صدق، حافظہ، دیانت وغیرہ موجود ہونے پر کمال بے تعصبی کے ساتھ وہ
ان سے روایت کرتے ہیں۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری "الایمان قول و عمل" کے باب میں بڑی شدت رکھتے تھے جس کی شہادت
صحیح بخاری کی کتاب الایمان سے بھی ملتی ہے۔ نیز ان کا یہ قول مشہور ہے کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ
سے حدیث لی لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو الایمان قول و عمل کے قائل نہ تھے لیکن یہ بات
قابل غور ہے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد اپنے شیوخ تک ہی محدود رہتا ہے۔ اوپر کے سلسلہ میں یہ

۱۔ مقدمہ فتح الباری وغیرہ

توجہ دے کر باطل ہو جاتی ہے۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ائمہ کوفہ کا میلان اقوال الرجال سے تخریج مسائل اور تفویض احکام کی طرف کچھ اس طرح بڑھا کہ انہیں خود اپنے ائمہ کی مدایت اور ان کی تحقیق پر اعتقاد نہیں رہا۔ اس کا ثبوت امام محمدؒ کے اس بیان سے ہوتا ہے:-

ما اعلمنا سوء ثناء علی اصحابہ
منکم۔ اذ احدثکم عن مالک ملائم
علی الموضع۔ واذ احدثکم عن اصحابکم انما
تاتون متکارہین لہ
کوفہ والو! تم سے بڑھ کر اپنے شیوخ سے بڑھ کر میں نے
کسی کو نہیں پایا۔ جب امام مالک سے حدیث بیان کرتا
ہوں تو تم لوگوں سے میرا گھر بھر جاتا ہے۔ اور جب خود
تمہارے اپنے ائمہ اور شیوخ سے روایت کرتا ہوں تو
تم ہر گز بہت مجلس میں آتے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مصطفیٰ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے ۱۔
”آں امام ابو حنیفہ یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و
ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی ازوے حد کتابہائے خود روایت نہ کردہ اند و رسم دعا
حدیث ازوے بطریق ثقاة جاری نہ شدہ“

بہر حال جو وجہ بھی ہو میری رائے اس سے مختلف ہے۔ میرے نزدیک حضرات محدثین کا خیال غالباً
یہ تھا کہ ابن ائمہ کرام و مجتہدین عظام کی حدیثیں تو ضائع اور برباد ہونے سے محفوظ ہیں اس لئے کہ ان کے
تلامذہ اہل اصحاب چار دنگ عالم میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں روایت کے ساتھ ساتھ
عمل بھی مشہور و معروف طریقہ پر جاری ہے۔ اس لئے انہوں نے ان کی احادیث کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ
سمجھی اور اپنی حدود و جہد زیادہ تر ان روایہ حدیث کی جانب مبذول رکھی جن کی روایات کے ضائع ہونے

لے تہذیب الاسامی واللغات

کا خطرہ تھا۔ اگر ان کی سنی تبلیغ اور مصروفیت دوسری جانب نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان ائمہ اسلام کی روایتیں ارباب صحاح کی کتابوں میں نہ ہوتیں۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ تو محض محدثین سے حسن ظن اور ان کی حمایت کی بنا پر بات بنائی گئی ہے اور نہ واقعہ یہ ہے کہ محدثین نے گردہ مجتہدین پر عموماً جرحیں کی ہیں، مثلاً امام ثوری نے امام ابوحنیفہ پر اور ابن مسین نے امام شافعی پر اور کراچی نے امام احمد پر اور ذہبی نے بخاری پر جرح کی۔ بادی النظر میں یہ اعتراض و زنی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا تحقیقی جواب آپ کو آگے ملے گا۔

شرائط رداۃ حدیث و آثار | سیاسی اختلافات اور مذہبی تعصبات کی بنا پر جو لوگ اپنے اپنے طریقوں میں غلو رکھتے تھے ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے عقائد و اعمال کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کرنا اپنے لئے جائز کر لیا تھا۔ امام مسلم نے اپنے مقدم میں بالتفصیل اور دوسرے ائمہ نے اجمالاً پوری طرح ان حقائق کو آشکارا کیا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز تک شیعہ، خارجی اور چند دوسرے فرقہ و جموں آپ کے تھے اور ہر فرقہ میں غیبت الباطن، انشاص پائے جاتے تھے۔ البتہ ان میں سے خوارج نسبتاً کم دروغ ہو جاتے تھے کیونکہ ان کے اصول کی رو سے گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دروغ گوئی مناسب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لیے ان میں اس قسم کی جوأت کرنے والے اشخاص بمشکل نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ گردہ بندی شروع ہونے کے بعد سے محدثین کا کام بہت زیادہ سخت ہو گیا، اور اس سخت کام کو جس طریقہ سے انہوں نے انجام دیا اس کی روداد پڑھنے سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات محدثین نے ان آمیزشوں سے حدیث کو کیونکر پاک کیا۔ اور ان کو اس معاملہ میں کیسی درخشاں کامیابی حاصل ہوئی۔

مذہب اسلام کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی جملہ تعلیمات کا رابطہ براہ راست صاحب شریعت علیہ السلام سے ہے۔ شریعت کا ہر جزوئیہ آفتاب رشد و ہدایت سے ایک دروست اور قابل

انکار نسبت رکھتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی چیز آنحضرتؐ سے ثابت نہ ہو، یا کسی ثابت شدہ چیز سے ماخوذ و مستنبط نہ ہو، وہ شریعت کا جزو نہیں بن سکتی۔ اگرچہ تاریخ اسلام کا کوئی دود ایسے اشرار اور کڈالوں سے خالی نہیں رہا جنہوں نے غیر شرعی باتوں کو صاحب شریعت علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے اس نظام شرعی کو دہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس لحاظ سے بھی تمام مذاہب کے مقابل میں اسلام اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتا کہ صاحب شریعت کی ہدایات کو بیرونی آمیزشوں سے پاک کرنے اور پاک رکھنے کا جیسا مکمل انتظام اس مذہب میں کیا گیا وہ کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہ ہو سکا۔ اور یہیں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی حقیقت کوئی انسانی کام نہیں ہے بلکہ اپنی آخری شریعت کی حفاظت کے لیے خدا ہی کی طرف سے مبعوث نہ انتظام کیا گیا ہے۔ ورنہ کوئی شخص بتائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد رسالت کے سوا دنیا کے اور کس شخص اور کس دور کے متعلق اتنی تفصیلات انسان محفوظ رکھ سکا ہے؟ اور کس شخص یا دور کے حالات کی حفاظت کے لیے اخبار و آثار کی چھان بین اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کے اس قدر مکمل ذرائع فراہم کئے جاسکے ہیں؟ یہ محض ایک خوش اعتقاد ہی کی بات نہیں ہے بلکہ ایک علمی حقیقت ہے جس کو علمی حیثیت سے ہی جانچنا چاہیے تاکہ نبی آخر الزمان کی تاریخ اور عام انسانی تاریخوں کا فرق پوری طرح واضح ہو جائے، اور ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جو اس اعجازی تاریخ کو بھی عام تاریخوں کی طرح محض انسانی کا نام سمجھ کر ناقابل وثوق ٹھہراتے ہیں۔ مندر اور ہٹ دھرمی کے بجائے خالص علمی طور پر تحقیق کرنے والے کو جس طرح حفاظت قرآن میں خدائی ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے اسی طرح حفاظت آثار نبوی میں بھی نظر آ سکتا ہے نیز کہ وہ آرام کسی پریٹ کر تخیلات بارود پر عمارت کھڑی نہ کرے بلکہ تحقیق میں کچھ وقت اور محنت بھی صرف کرنے پر آمادہ ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ مسلم کا قول یا تو بلا واسطہ مانگا ہو گا یا بواسطہ رواۃ غلام ہے کہ پہلی صورت توحیح دینی قطعی ہے، اس لیے کہ جب کسی شخص نے خاص ذات نبوی کی زبان سے کوئی

بات سنی ہو تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی صداقت پر یقین نہ رکھے۔ اب رہ گئی دوسری بات یعنی کسی واسطہ سے آنحضرت کا قول سُنا۔ تو اس کی پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ اتنے کثیر واسطوں سے سنا گیا ہو گا کہ اتنے کثیر راویوں کا جھوٹ پر متفق ہونا مستبعد ہو۔ یا اس قدر کثیر واسطے نہ ہوں گے پہلی صورت بھی یقینی و قطعی ہے۔ کلام صرف دوسری صورت میں رہ جاتا ہے۔ فقہاء و محدثین کی اصطلاح میں وہ نلتی سے تعبیر کی جاتی ہے جس کی عقلی طور پر تین شقیں ہو سکتی ہیں :- (۱) وہ جس کی صحت کا ظن قاطع ہو (۲) وہ جس کا فساد ظاہر ہو (۳) وہ جس میں احتمال صدق و کذب کی وجہ سے فیصلہ نہ ہو سکتا ہو۔ ان میں سے پہلی قسم کے باب میں بھی اختلافات نہیں ہو سکتا کہ جب کسی خبر کے پہنچنے کے ذرائع معتبر ہوں اور اس کی صحت میں شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہ ہو تو اسے قبول کرنا چاہیے۔ اور دوسری قسم میں بھی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ جب خبر کا ذریعہ حصول مخدوش ہو یا اس کا نفس معقول بداعتہ غلط معلوم ہوتا ہو تو اسے رو کر دینا چاہیئے۔ اب صرف تیسری قسم رہ جاتی ہے اور یہی خبر ہے جس کے باب میں علماء اسلام کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ اثبات احکام شرعیہ کے لیے کافی ہے یا نہیں۔

اس تقسیم کی رو سے یہ بات مزوری ہوئی کہ تحقیق اخبار کے لیے ایسے ذرائع اور اصول تلاش کیے جائیں جو نصی و حسی ہوں تاکہ مخبر کے متعلق فیصلہ کیا جاسکے کہ وہ معتبر ہے یا نہیں اور اس کی خبر پر کہاں تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس راہ کا پہلا قدم اور سب سے اہم اصول راوی کا مسلم ہونا ہے۔ اس شرط کے اعتبار سے اہل شرک کی روایت قطعاً مردود ہے جس پر کتاب و سنت و اجماع امت شاہد عدل ہیں۔ دوسری شرط عقل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط ایسی ہے کہ اسی کی وجہ سے انسان احکامات شرعیہ کا مکلف ہوتا ہے۔ پہلا یہ شئی لطیف غائب ہے ساری ذمہ داری ختم۔ دیکھیے بخون اور بچے کی روایت رفع القلم عن ثلث اشیا کی بنا پر محدثین کے نزدیک حجت نہیں۔ اسی وجہ سے بعضوں نے روایت کرنے کے لیے عمر کی قید لگائی اور ۵ برس تک کے بچے کی روایت قبول کی جیسے محمود بن الربیع۔ پھر اس میں یہ تفصیل کی گئی ہے کہ اگر

تحمل روایت یحییٰ میں ہوا اور ادا بلوغت میں تو ایسی روایت کے قبول پر سلف کا اجماع و اتفاق ہے۔ لیکن فقہا محدثین میں نووی و حازمی وغیرہ فرماتے ہیں:-

قبول اخبار الصبی الممیز فیما طریقہ المشاہدۃ بخلاف ما طریقہ النقل
باتیز و سمہدار پتچے کی روایت ایسے واقعات کے متعلق معتبر ہے جو مشاہدہ سے تعلق رکھتے ہوں لیکن جو باتیں نقلیات میں داخل ہیں مثلاً فتوے یا حدیث کی روایت ان میں بچوں کی روایت مقبول نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بحث بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس شخص کی عقل کسی امر خارجی کی بنا پر زائل ہو گئی ہو اس نے جو حدیث نوال عقل سے پہلے سنی اور وہ متاثر بھی ہے تو وہ مقبول ہوگی۔ دوسری صورتوں میں توقف کیا جائیگا قبل اور بعد میں امتیاز کرنا راوی سے معلوم ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی طرح سے اس کے علم تک پہنچنا ممکن نہیں تو اس کی روایت کلیتہً رد کر دی جائے گی۔ تیسری شرط صدق ہے۔ یہ وہ عطیہ ربانی ہے جس سے حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے بلکہ یہ وہ وصف عالی ہے جو انبیاء و اولیاء، ابراہار و اخبار کا زیور ہے۔ پس جو اس سے عاری ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں یا دوسرے لوگوں کی بات میں بھوٹ ملا دینا نہ کوئی عیب نظر آئیگا نہ کوئی خوف و ارین۔ لہذا اس کی روایت غیر معتبر ہے۔ چوتھا وصف عدالت ہے یعنی راوی کا عادل ہونا۔ اس لفظ کی لغوی و اصطلاحی تعریف پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ تمام اہل علم اتفاق ہے کہ کوئی روایت معتبر نہ ہوگی جب تک کہ راوی میں صفت عدل نہ پائی جائے۔ اگر راوی عدل اور ضبط روایت میں کامل ہو جیسے شعبہ و سفیان اور یحییٰ القطان وغیرہ تھے تو اس کی روایت صحیح کہی جائیگی۔ اور اگر دونوں میں یا ایک میں کم ہے لیکن جہل اصول اور ضابطہ ہو تو اس کی روایت دیکھ جن میں کمی جائیگی۔ اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد بہت سی فنی مشکلات ختم ہو جاتی ہیں بقیہ دیکھو امور جو اس فن کے اندر بیان ہوئے ہیں وہ حقیقتاً اپنی عناصر و اجزاء میں جن میں بعض کا ذکر اپنے موقع پر آئیگا۔

لے ارشاد العول وغیرہ لے مقدمۃ فتح العلم لے شروط الامتہ الخمزہ وغیرہ۔